اداریہ

شام دو منصوبوں کے درمیان: نارملائزیشن اور ریاست کا قیام

تحریر: استاد عبد الکریم جمعہ

(ترجمہ)

جنوبی شام میں یہودی وجود کی دراندازی، اس کے ساتھ ہونے والے حملے اور نئے فوجی حقائق کا مسلط کیا جانا محض عارضی سکیورٹی پیش رفت نہیں ہیں۔ ان اقدامات کو عارضی سمجھوتوں سے قابو میں نہیں لایا جا سکتا، نہ ہی سیاسی مفادات کے حساب کتاب سے نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ اصل حملے سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس سے نمٹنے کا طریقہ کار سیاسی سمجھوتے کے راستے پر ڈال دیا جائے۔ یوں اس وجود کے ساتھ نارملائزیشن کو "سیاسی حقیقت پسندی" یا "استحکام کی ضرورت" کے نام پر ایک آپشن بنا دیا جائے جو بابرکت سرزمین پر قابض ہے، مقدسات کی بے حرمتی کرتا ہے اور ملک کے احترام کو پامال کرتا ہے! یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ یہ معاملہ دو ریاستوں کے درمیان سفارتی تعلقات کا ہے اور نہ ہی سرحدی تنازع ہے جسے باہمی مراعات سے حل کیا جا سکے۔ بلکہ یہ بقا کی جنگ کا معاملہ ہے اور خطے میں یہودی وجود کے توسیعی منصوبے کا سوال ہے، نیز اس منصوبے میں شام کی حیثیت کا معاملہ ہے۔

جو وجود اب تک شامی جولان پر قابض ہے، شام پر مسلسل حملے کر رہا ہے اور فلسطین میں آباد کاری اور زبردستی انخلا کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہے، اسے علاقائی استحکام کی مساوات میں کوئی نارمل فریق نہیں مانا جا سکتا۔ جب تک اس تنازع کی وجوہات قائم ہیں—جو کہ بنیادی طور پر بقا کا تنازع ہے—تب تک ایسا ممکن نہیں ہے۔ ریاستوں کے باہمی تعلقات اس نظریے اور فکری مرجع سے الگ نہیں ہو سکتے جس پر ریاست قائم ہوتی ہے اور جو اس کی پالیسی کو منظم کرتا ہے۔ اسلام میں حکومت محض طاقت کے توازن کے مطابق مفادات کی دیکھ بھال کا نام نہیں ہے، اور نہ ہی یہ بین الاقوامی حالات کے تحت مسلط کردہ سمجھوتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ یہ ایک شرعی ذمہ داری ہے جو اسلامی احکام کے مطابق امت کے امور کی دیکھ بھال سے تعلق رکھتی ہے۔

لہٰذا تنازع کی نوعیت اور اس سے نمٹنے کے شرعی احکام کو نظرانداز کرتے ہوئے مسلسل حملوں کو نارملائزیشن کا ذریعہ بنانا، اس فکری مرجع پر سوالات کھڑے کرتا ہے جو سیاسی فیصلے کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ اس بنیاد پر بھی سوال اٹھاتا ہے جس پر خارجہ تعلقات استوار کیے جاتے ہیں۔ جنوبی شام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ فلسطین سے الگ نہیں ہے۔ بلادِ شام کی جیو پولیٹکس اور صیہونی منصوبے کی نوعیت شام اور یہودی وجود کی پیش رفت کو ایک ہی علاقائی منظرنامے کی جڑی ہوئی کڑیاں بناتی ہیں۔ فلسطین میں جاری قبضہ، آباد کاری اور زبردستی انخلا، اور جنوبی شام میں دراندازی اور نئے فوجی حقائق کا مسلط کیا جانا، خطے میں توسیع پسندی اور تسلط کے منصوبے کے تسلسل کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس لیے ان مسائل کو الگ الگ قومی فائلوں کے طور پر دیکھنا چیلنج کی نوعیت کی ادھوری سمجھ پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ان مسائل کو محض سکیورٹی سمجھوتوں یا سیاسی معاہدوں تک محدود کرنا ان کی حقیقی جڑوں سے آنکھیں چرانا ہے۔

یہیں سے نارملائزیشن کی کوشش کی سنگینی سامنے آتی ہے۔ جب نارملائزیشن ایک سیاسی مقصد بن جاتی ہے، تو فلسطین کے معاملے اور شام پر حملوں کو نظرانداز کرنا نئے تعلقات کا حصہ بن جاتا ہے۔ معاہدے اس کے اسباب کا علاج کرنے کے بجائے غاصبانہ قبضے کی حقیقت کو قبول کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اسی لیے نارملائزیشن کے بارے میں موقف اس شرعی تصور سے جدا نہیں ہو سکتا جو ریاستوں اور وجودوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو متعین کرتا ہے، اور نہ ہی ان شرعی احکام سے الگ ہو سکتا ہے جو امن و جنگ میں ان تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے صیہونی توسیعی منصوبے کے ساتھ تنازع کوئی جذباتی کشمکش نہیں ہے اور نہ ہی یہ محض جنگ کی دعوت ہے۔ بلکہ یہ غاصبانہ قبضے اور امت کے حقوق کے درمیان ایک سیاسی اور تاریخی تصادم ہے۔ یہ غاصب وجود کے توسیعی و تسلط

پسندانہ منصوبے اور اپنے مقدسات، اپنی سرزمین اور اپنے رب کی شریعت کو نافذ کرنے کے امت کے حق کے درمیان تصادم ہے۔

جب تک اس تنازع کی وجوہات قائم ہیں—جو کہ بنیادی طور پر بقا کا تنازع ہے نہ کہ سرحدی تنازع—محض معاہدوں کے ذریعے اس کے خاتمے کی بات کرنا حقیقت سے دور ہے۔ حالات اور مراحل بدل سکتے ہیں، لیکن اس تنازع کا حل اسے چھوٹا دکھانے، اس کا نام بدلنے یا اس کے تقاضوں کو ملتوی کرنے سے ممکن نہیں ہے۔ اس کا حل اس کی نوعیت کو سمجھنے اور ایسا سیاسی تصور اختیار کرنے میں ہے جو قومی حدود کے بجائے عقیدے کی بنیاد پر اس سے نمٹنے کا راستہ متعین کرے۔

مومن اپنے ایمان اور امت کے امور کے بارے میں اپنے موقف کے درمیان تفریق نہیں کرتا۔ وہ اپنے انفرادی معاملے میں شریعت کو شامل اور نظامِ حکومت و سیاست سے غائب نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ** ﴾ "اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔" [سورۃ الاحزاب:آیت 36]۔اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** ﴾ "پس نہیں! آپ کے رب کی قسم، وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔" [سورۃ النساء: 65]

یہ آیات ہمیں اس بنیادی سوال کا جواب دیتی ہیں کہ امت کی سیاسی زندگی کس فکری مرجع پر قائم ہونی چاہیے؟ اور وہ کون سا فریم ورک ہے جس میں اس کے امور منظم ہوں، اور جس کے ذریعے اس کے اندرونی و بیرونی تعلقات چلائے جائیں، تاکہ جنگ، امن اور نارملائزیشن جیسے مسائل پر اس کے مواقف کا تعین ہو سکے؟

امت کی موجودہ ابتر حالت محض عسکری کمزوری یا سیاسی انتشار کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جامع آئیڈیالوجی پر مبنی سیاسی منصوبے کی عدم موجودگی اور حکومت و سیاست کے امور میں اسلامی مرجعیت کے پیچھے ہٹ جانے سے بھی جڑی ہوئی ہے۔

اس بنا پر، شام کے حالات کا علاج اور فلسطین کے مستقبل پر غور و فکر محض اتحاد بدلنے یا بیرونی ضمانتوں کی تلاش تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کے لیے سیاسی نظام کی اصل اور اس کی بنیاد پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ معاملہ صرف افراد کو بدلنے یا اداروں کی دوبارہ ترتیب کا نہیں ہے، بلکہ یہ اس ریاست کی نوعیت کا سوال ہے جو امت پر حکومت کرتی ہے، اس بنیاد کا سوال ہے جس سے اس کے قوانین و پالیسیاں نکلتی ہیں، اور اس مقصد کا سوال ہے جس کے فریم ورک میں امت کے امور منظم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کی شریعت کا نافذ کرنا اور اسلام کی بنیاد پر ریاست کا قیام اسلامی سیاسی تصور کا بنیادی محور ہے۔ اسلام محض انفرادی عبادات اور شعائر کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا دین ہے جس میں معاشرے، حکومت اور بین الاقوامی تعلقات کو منظم کرنے کے احکام شامل ہیں۔ ریاست کے قیام کا مطلب ایک ایسے سیاسی وجود اور حکومتی نظام کا ہونا ہے جو شرعی احکام کو نافذ کرے، لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کرے، اندرونی و بیرونی پالیسی کو اسلامی احکام کے مطابق چلائے، اور امت کے تحفظ، اس کے مفادات کی نگہبانی اور اس کے پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائے۔

شام اور فلسطین کو درپیش بنیادی مسئلہ محض بیرونی حملوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ اس سیاسی منصوبے کی عدم موجودگی تک پھیلا ہوا ہے جس کے فریم ورک میں امت کے مسائل منظم ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہودی وجود کے ساتھ نارملائزیشن کو رد کرنا ایک ایسے جامع تصور کا حصہ ہونا چاہیے جو صرف ردِعمل دکھانے کے بجائے امت کی سیاسی بیداریا کی اصل بنیاد کی تلاش تک جائے۔ مقصد صرف موجودہ حالات کو مسترد کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے منصوبے کی طرف قدم بڑھانا ہے جس میں اسلامی احکام حکومت و قانون سازی کا فکری مرجع ہوں، اور ریاست وہ سیاسی فریم ورک ہو جس کے ذریعے یہ مرجعیت امت کی زندگی میں عملی صورت اختیار کرے۔

یہیں سے اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے اور اسلام کے منصوبے کی حامل ریاست قائم کرنے کا وجوب واضح ہوتا ہے، جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرے اور ان کی صلاحیتوں کو ایک جامع سیاسی وجود میں دوبارہ متحد کرے۔ امت

محض اپنے بحرانوں کی نشاندہی کرنے سے اپنا کردار دوبارہ حاصل نہیں کر سکتی، بلکہ اپنے سیاسی منصوبے کو اختیار کرنے اور اپنے عقیدے و دینی احکام کی بنیاد پر کھڑے ہونے سے ہی اپنا مقام واپس پا سکتی ہے۔